(غلام گردش)

بھٹو، کیچ پول اور پرنسپل

صدر ذوالفقار علی بھٹو رات کے آخری شب اپنے دفتر سے نکل کر بیڈ روم کی جانب جا رہے تھے۔ رات کو محض دو تین گھنٹے کی نیند لینے والا شخص عملاً ہر وقت حرکت میں رہتا تھا۔ کمرے میں جانے سے پہلے ذہن میں پتہ نہیں کیا خیال آیا کہ بچوں کے کمروں کی طرف رُخ کر لیا۔ بچے سو چکے تھے۔ رات کے تین بجے کا وقت تھا، صرف ایک بچے کے کمرے کے بلب جل رہے تھے۔ سب سے چھوٹے بیٹے شاہنواز کا کمرہ تھا۔ دروازہ پر دستک دیکر جب کمرے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ شاہنواز سگریٹ پی رہا تھا۔ بھٹو کیلئے یہ مکمل طور پر ناقابل قبول تھا کہ جوان بچہ اپنے ہاتھوں سے اپنی صحت برباد کرلے۔ غصے میں لال پیلے ہو گئے۔ دن بھر کا تمام غصہ بیٹے پر نکال دیا۔ بھٹو آدھا گھنٹہ اکیلا بیٹھ کر سوچتا رہا کہ جوان اولاد کو کیسے اتنی بہتر تربیت دی جائے کہ اسکے کس بل نکل جائیں۔ اب رات کے تقریباً چار بج چکے تھے۔ ایک دم ذہن میں آیا کہ حفیظ پیرزادہ سے مشورہ کرنا چاہیے۔ صدر کے سٹاف نے وزیر موصوف کو سوتے ہوئے اُٹھایا اور بتایا کہ صاحب نے یاد کیا ہے۔ پیرزادہ انتہائی تشویش کے عالم میں قصرِصدارت پہنچے۔ گمان تھا کہ کوئی انتہائی سنجیدہ ملکی یا غیرملکی مسئلہ سامنے آ چکا ہے۔ بھٹو صاحب سوٹ پہنے ڈرائنگ روم میں ٹہل رہے تھے۔ حفیظ پیرزادہ مزید گھبرا گئے۔ خیر انتہائی ادب سے دریافت کیا کہ سر، اس وقت انہیں کس کام کیلئے بلایا گیا ہے۔ بھٹو نے انتہائی غصہ میں شاہنواز کے سگریٹ پینے کا واقعہ پیرزادہ صاحب کو سنایا اور پوچھنے لگے کہ لڑکا بگڑ رہا ہے لہذا اس کا کیا علاج کیا جائے۔ پیرزادہ خاموش ہو گئے کیونکہ یہ معاملہ ذاتی نوعیت کا تھا۔ مگر بے انتہا اہم تھا۔ پیرزادہ صاحب نے ایک دن کا وقت مانگا۔ بھٹو صاحب پورے جلال میں تھے۔ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا باپ جسکے پاس اپنی اولاد کیلئے وقت نہیں تھا۔ خیر بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ بھٹو صاحب کے پاس حقیقت میں وقت بہت ہی کم تھا۔ حفیظ پیرزادہ صدر سے وعدہ تو کر آئے کہ مسئلہ کا کوئی حل نکالیں گے۔ مگر انہیں بھی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ کسی بزرجمہر سے مشورہ کیا۔ اس نے سیدھا سادہ سا جواب دیا کہ مسئلہ کا مکمل حل صرف ایک آدمی کے پاس ہے اور انکا نام کرنل ن۔ ڈی۔ حسن ہے جو اس وقت کیڈٹ کالج حسن ابدال کا پرنسپل ہے۔ اگر شاہنواز بھٹو کسی طریقہ سے اس کالج میں داخل ہو جائے تو تمام معاملات ٹھیک ہو جائینگے۔ پیرزادہ فوراً بھٹو کے پاس پہنچے۔ مسئلہ کا جو حل نکالا تھا، بھٹو فوراً اس مشورہ کو مان گئے۔ فیصلہ صادر کر دیا کہ بیٹے کو کیڈٹ کالج حسن ابدال داخل کروا دیا جائے۔ مگر وہ کالج کے پرنسپل ن۔ ڈی۔ حسن سے مکمل طور پر ناواقف تھے۔

صدر پاکستان کے ذاتی سٹاف نے کرنل صاحب کو درخواست کی کہ شاہنواز بھٹو کو کالج میں داخلہ دے دیں۔ کرنل صاحب ایجوکیشن کور کے ریٹائرڈ افسر تھے۔ انہوں نے مکمل طور پر انکار کر دیا کہ کالج کے داخلے بند ہو چکے ہیں اور اب کسی بھی طالبعلم کو لینے کی کوئی گنجائش نہیں۔ سٹاف نے صدر کو جب سارا معاملہ بتایا تو وہ حیران رہ گئے کہ بیٹے کو اپنے ہی ملک میں ایک تعلیمی ادارے میں داخلہ نہیں دلا سکتے۔ لیکن بھٹو ایک ذہین شخص تھا۔ اس انکار کو قطعاً گستاخی نہیں سمجھا۔ اگلے دن، انہوں نے کرنل صاحب کو فون کیا۔ آپریٹر کو حکم دیا کہ وہ بحیثیت صدر، اپنا پروٹوکول ختم کر کے پہلے لائن پر آئینگے اور پرنسپل صاحب، انکے بعد۔ کیا آج یہ بات سوچی جا سکتی ہے کہ کوئی بھی وزیرِاعلیٰ

یا مقتدر شخص، کسی استاد کو اتنی عزت دے۔ آج کا ہمارا ملک تو بونوں کا ملک ہے۔ کیا افسر شاہی، کیا سیاستدان، کیا مذہبی علماء اور کیا دانشور۔ سب ایک جیسے ہیں۔ بلند کردار کے جوہر سے بے خبر۔ ن۔ ڈی۔ حسن نے صدر محترم کی بات سنی اور انہیں وہی جواب دیا کہ داخلے بند ہو چکے ہیں۔ بھٹو جیسا شخص، انتہائی ادب سے انکار سنتا رہا۔ درخواست کی کہ شاہنواز اگر بگڑ گیا تو بحیثیت والد، میرا تمام اثاثہ ختم ہو جائیگا۔ پرنسپل صاحب نے جواب دیا کہ وقت دیجیئے۔ میں سٹاف سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ کرنل صاحب نے میٹنگ بلائی اور سارا معاملہ ان کے سامنے رکھ دیا۔ کہنے لگے کہ اگر آپ میں سے ایک بھی انکار کریگا کہ ہمیں شاہنواز بھٹو کو اس وقت داخلہ نہیں دینا چاہیے تو میں انکار کر دونگا۔ ایک انتہائی مدبر استاد نے مشورہ دیا کہ اگر صدر کا بیٹا اس ادارہ میں تعلیم حاصل کریگا تو ادارے کو فائدہ ہوگا۔ اسکے کئی مالی اور انتظامی مسائل خود بخود حل ہو جائینگے۔ خیر اس اجتماعی فیصلے کے بعد پرنسپل صاحب نے شاہنواز بھٹو کو کیڈٹ کالج حسن ابدال میں داخلہ دیدیا۔ مگر انکی ایک شرط تھی کہ صدر کے بیٹے سے کسی قسم کا کوئی امتیازی سلوک نہیں ہوگا۔ اسکو عام طالبعلموں کی طرح رہنا ہوگا۔ چنانچہ شاہنواز بھٹو کو ہوسٹل میں الگ کمرہ نہیں دیا گیا۔ اسے تین طالبعلموں کے ساتھ کمرہ شیئر کرنا تھا۔

حسن ابدال میں کھیل لازمی تھے۔ شام کو تمام طالبعلم ہر طرح کے کھیلوں میں شرکت کرتے تھے۔ جس میں فٹ بال، ہاکی، باسکٹ بال وغیرہ شامل تھے۔ شاہنواز کو دمہ (Asthama) کا مرض تھا۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ اسے گرد سے دور رکھا جائے۔ مگر پرنسپل نے حکم دیا کہ وہ عام بچوں کی طرح ہر کھیل میں حصہ لیگا۔ ن۔ ڈی۔ حسن کے فیصلے کے سامنے نصرت بھٹو اور ذوالفقار علی بھٹو سر تسلیم خم تھے۔ چنانچہ بیٹے نے تمام کھیلوں میں بھرپور حصہ لینا شروع کر دیا۔ شاہنواز قطعاً بیمار نہیں ہوا۔ دمہ کا مرض بہتر ہو گیا اور کالج کی ہاکی ٹیم میں آ گیا۔

کیڈٹ کالج حسن ابدال میں بچوں نے سارے کام خود کرنے ہوتے تھے۔ جیسے جوتوں کو ہر وقت چمکتی ہوئی پالش لگا کر رکھنا، اپنے بیڈ کو ترتیب سے رکھنا اور اپنی الماری کو انتہائی قرینہ سے رکھنا۔ شاہنواز ہر کام کرتا تھا مگر جوتوں کو اچھی طرح پالش نہیں کر پاتا تھا۔ دراصل اس نے تمام زندگی جوتوں کو پالش کیا ہی نہیں تھا۔ بہرحال اسے ہاؤس ماسٹر اکثر ڈانٹتا تھا کہ جوتے چمک نہیں رہے۔ شاہنواز نے مشکل کا ذکر نصرت بھٹو صاحبہ سے کیا۔ وہ ماں تھی۔ انہوں نے سادہ سا حل نکال لیا۔ ایک دوپہر وزیراعظم ہاؤس سے ایک گاڑی آئی۔ ایک ملازم اترا۔ اسکے ہاتھ میں شاہنواز بھٹو کیلئے چمکتے ہوئے جوتے تھے۔ پرنسپل صاحب معمول کے مطابق کالج کی انسپکشن کر رہے تھے۔ انہوں نے سب کچھ دیکھ لیا کہ کس طرح صدر کے بیٹے کیلئے جوتے پالش ہو کر آئے ہیں۔ کرنل صاحب نے ہاؤس ماسٹر کو بلایا اور پوچھا کہ یہ بے اصولی کیسے ممکن ہوئی۔ قانون یہی ہے کہ سب بچے اپنے جوتے خود پالش کرینگے۔ شاہنواز نے ڈسپلن کی خلاف ورزی کی تھی۔ سزا یہ تجویز ہوئی کہ آنے والے ویک اینڈ یعنی چھٹی کے دن اپنے گھر نہیں جائیگا اور ہوسٹل کی کھڑکیوں کے شیشے صاف کریگا۔ اگر خاتون اول یعنی نصرت بھٹو صاحبہ آئیں تو انہیں اپنے بیٹے سے ملنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ سزا کے مطابق شاہنواز بھٹو، چھٹی والے دن قصر صدارت نہ جا سکا۔ والدہ کو جب معلوم ہوا تو خود کالج تشریف لائیں۔ انکا مکمل احترام کیا گیا۔ تمام بچوں سے ملیں مگر ہاؤس ماسٹر نے بتایا کہ شاہنواز بھٹو سے نہیں مل سکتیں کیونکہ وہ کھڑکیوں کے شیشے صاف کر رہا ہے۔ خاتون اول نے انتہائی مدبر طریقے سے یہ فیصلہ تسلیم کیا اور خاموشی سے واپس چلی گئیں۔ انہوں نے بالکل بُرا نہیں منایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شاہنواز بھٹو نے ساتھیوں سے بوٹ پالش کرنے سیکھ لئے

۔اس واقعہ کے بعد جتنے ماہ حسن ابدال رہا، اسکے جوتے چمکتے رہے۔

جب یہ سب کچھ ہوا تو میں کیڈٹ کالج حسن ابدال میں زیرِ تعلیم تھا۔مگر مجھے اس واقعہ کی پوری معلومات نہیں تھی۔چند دن پہلے میرے دیرینہ استاد، ملک آصف صاحب تشریف لائے تو انہوں نے یہ واقعہ پوری جزئیات کے حساب سے بیان کیا۔ملک آصف اس وقت کالج میں استاد تھے۔آجکل وہ کیڈٹ کالج تربیلا کے پرنسپل ہیں۔اس پورے حیرت انگیز واقعہ کے چشم دید گواہ تھے۔انہوں نے دو واقعات اور بیان کیے، میں صرف جزوی طور پر انکا ذکر کرونگا۔

کیچ پول(Catchpole) کا مندرجہ ذیل واقعہ بھی انہوں نے بیان کیا۔وہ کیڈٹ کالج حسن ابدال کے ابتدائی پرنسپل تھے۔ڈیرہ دون سے آکر پاکستان میں چالیس برس سے زیادہ تعلیم و تدریس کا کام کرتے رہے۔گرمیوں کی چھٹیوں میں لندن چلے جاتے تھے۔1958میں بھی اسی طرح لندن چلے گئے۔معمول تھا کہ ہر ہفتہ لندن سے حسن ابدال میں اپنے دفتر فون کرکے پورے ادارے کے حالات جانتے رہتے تھے۔حسب معمول ایک دن فون کیا تو سٹاف نے بتایا کہ انکی غیر موجودگی میں معمول کے مطابق کالج کے مالی معاملات کا آڈٹ ہوا تھا۔یہ بالکل عام سی بات تھی۔مگر خاص بات یہ تھی کہ آڈیٹر نے اعتراض لگایا کہ پرنسپل یعنی کیچ پول صاحب نے پانچ سو روپے کا ایک سرکاری خرچہ کیا ہے، جو شائد انکے اختیار میں نہیں تھا۔آڈیٹر نے شائد کا لفظ استعمال کیا تھا۔کیچ پول نے فون بند کیا۔اور دو کام کیے۔لندن سے پانچ سو روپے کا چیک بنوایا اور اپنے استعفیٰ سمیت کالج بھجوا دیا۔جب صدر پاکستان یعنی ایوب خان کو یہ بات پتہ چلی تو اس نے ذاتی طور پر کیچ پول کو استدعا کی کہ استعفیٰ واپس لیں۔آڈیٹر کے اعتراض کو خود آڈٹ محکمہ نے بلا جواز قرار دے دیا۔مگر کیچ پول نے استعفیٰ واپس نہیں لیا۔ائیر مارشل نور خان بذات خود لندن گئے۔التجا کی کہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔مگر کیچ پول نے استعفیٰ واپس لینے سے انکار کر دیا۔اسکے بعد کبھی بھی زندہ حالت میں کیڈٹ کالج حسن ابدال واپس نہیں آئے۔وصیت کے مطابق انہوں نے دو کروڑ روپے کالج کو عطیہ کیے اور وہیں دفن ہونے کی خواہش ظاہر کی۔انکی خواہش کے احترام میں کیچ پول کی تدفین کیڈٹ کالج حسن ابدال کے ایک قطعہ میں کی گئی۔

ملک آصف صاحب تو یہ قصے سنا کر چلے گئے۔مگر میں ساتویں منزل پر موجود اپنے دفتر میں مکمل طور پر خاموش بیٹھا ہوا ہوں۔کمرے کی کھڑکیوں سے روشنی چھن چھن کر اپنے عکس سمیت میرے سامنے موجود ہے۔پر عجیب بات ہے کہ مجھے ہر طرف اندھیرہ ہی اندھیرہ نظر آرہا ہے!

راؤ منظر حیات

Dated:22 April 2016